اِسلامی سزاؤں کا عقلی جائزہ

پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

ایک بڑے درخت کو دیکھ کر سب خوش ہوتے ہیں، کہتے ہیں کتنا بھلا لگتا ہے، کتنا سایہ دار ہے، کس قدر پھل دیتا ہے۔ عام آدمی کی نگاہ بس یہاں تک جاتی ہے۔ حقیقت بین نگاہ گہرائی میں اتر کر دیکھتی ہے کہ یہ حسن و خوبی کن اسباب کی بنا پر ہے۔ وہ دیکھتی ہے کہ اس درخت کے ایک جڑ ہے، جو زمین سے اس کو غذا اور پانی مہیا کرتی ہے۔ اس درخت کے ایک تنا ہے جو درخت کے پھیلاؤ کا بوجھ برداشت کیے ہوئے ہے، جس پر پھل لگتے ہیں اور پھول کھلتے ہیں۔ اگر جڑ نہ ہوتی، اگر تنا نہ ہوتا تو پھر نہ پھول کھلتے اور نہ پھل لگتے۔ ساری اہمیت جڑ اور تنا کی ہے۔

ایک وسیع اور عالیشان عمارت کو دیکھ کر سب خوش ہوتے ہیں۔ اس کی بلندی، اس کا استحکام اور اس کی خوشنمائی پر سب تعجب کرتے ہیں۔ اس کے بالاخانے آرام دہ ہیں اور پر سکون ہیں۔ بیسیوں خاندانوں کو اپنے دامن میں گوشۂ عافیت مہیا کیے ہوئے ہیں۔ عام آدمی تو بس یہ دیکھتا ہے لیکن حقیقت بین نگاہوں پر یہ امر ظاہر ہے کہ اس عمارت کی بنیادیں بہت گہری ہیں۔ اس کی تعمیر میں اچھے قسم کا مسالہ لگایا گیا ہے۔ اس کی تعمیر کا نقشہ بہت آرام دہ اور موزوں ہے۔ اس کو حسین اور خوبصورت بنایا گیا ہے۔ کہیں اگر بنیادیں گہری نہ ہوتیں، مسالہ اچھا نہ ہوتا، دیواریں مضبوط نہ ہوتیں، کمرے آرام دہ نہیں ہوتے تو پھر یہ سینکڑوں افراد اس کی گود میں پُر سکون رہائش سے بہرہ مند نہیں ہو سکتے تھے۔

دُنیا میں آج سینکڑوں اقوام آباد ہیں۔ ہزاروں معاشرے موجود ہیں، یہ معاشرے تہذیب و تمدن

کی برکتوں سے مالامال ہیں۔ علوم و فنون اور صنعت و حرفت سے بہرہ ور ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی مدد سے انسان نے طبعی قوتوں پر قابو پالیا ہے۔ ان کے ذریعے دنیا میں ہی عیش و راحت کی جنت تعمیر کرلی ہے۔ بیماریوں پر قابو پالیا ہے۔ مشکلات اور دشواریوں کو سہل بنالیا ہے۔ راحت و آرام کے ہزاروں طریقے ایجاد کرلیے ہیں۔ ایک آدمی کی نگاہ محیر العقول ایجادوں میں اور حیرت افزا سامانِ تعیش و تنعم میں جاکر گم ہوجاتی ہے۔ لیکن حقیقت بین نگاہیں گہرائی میں جاکر جھانکتی ہیں کہ تہذیب و تمدن کی عظیم الشان عمارت کی پشت پر ریاست کا وجود ہے۔ ریاست معاشرہ پر قائم ہے اور معاشرہ افراد کے دم سے باقی ہے۔ اگر کہیں ریاست نہ ہو، اگر کہیں معاشرہ نہ ہو، اگر کہیں افراد نہ ہوں تو پھر نہ تہذیب و تمدن کی چمک دمک ہو، نہ علوم و فنون کی گرم بازاری ہو اور نہ عیش و راحت کی فراوانی ہو۔

دنیا میں حقیقی وجود افراد کا ہے، انسان کا ہے۔ انسان کو اپنی خواہشات اور احتیاجات پوری کرنے کے لیے خاندان اور کنبہ کی ضرورت ہے۔ انسان اجتماعیت پسند ہے۔ تنہائی سے وہ نفرت کرتا ہے۔ افراد کو اپنی ذات کی تکمیل کے لیے خاندان کی ضرورت ہے۔ چند خاندانوں سے مل کر ایک انسانی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ معاشرے کے اندر افراد کو اپنی ذات کی تکمیل کے اسباب مہیا ملتے ہیں۔ معاشرہ میں افراد کو تحفظ اور امن حاصل ہوتا ہے۔ معاشرہ انسان کو وہ سازگار ماحول فراہم کرتا ہے جس میں وہ پُرسکون زندگی بسر کرسکے۔ جس میں وہ اپنی خفتہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاسکے۔ معاشرہ کے اندر افراد حسنِ کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں، معاشرہ میں فرد کی شخصیت کی تکمیل ہوتی ہے افراد کے لیے معاشرے کا وجود نہایت ضروری ہے۔

معاشرہ میں افراد کے مابین امن و امان قائم رکھنا، نظم و ضبط برقرار رکھنا، فصل خصومات و نزاع کرنے سے تحفظ و استحکام عطا کرنا ضروری ہے۔ اس کے لیے ایک مقتدر اعلیٰ ایک حاکم بالادست ضروری ہے۔ اس غرض کی خاطر ریاست کا وجود عمل میں آیا ہے۔ ریاست کے بغیر کوئی معاشرہ مکمل نہیں ہے۔ فرد معاشرہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ اور معاشرہ ریاست کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ درحقیقت فرد، معاشرہ اور ریاست حیاتِ انسانی کی وہ بنیادیں ہیں جن پر عظمتِ انسانی کا قصر تعمیر ہوا ہے۔ اس کے بعد ہی علوم و فنون، صنعت و حرفت، تہذیب و تمدن، عیش و آرام کی موجودہ

فصلِ بہاراں آتی ہے۔ اِس کے بعد ہی انسان کو یہ سارا عروج حاصل ہوا ہے۔

یہاں تک تو عام انسانی عقل کی رسائی ہے۔ یہ حکمتیں اور مصلحتیں تو عقل و خرد خوب سمجھا دیتی ہیں لیکن اس سے آگے وحی الٰہی کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دُنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ فہم و فراست اور عقل و خرد کی روشنی سے اس نوازا ہے۔ ہر قسم کی ضروری صلاحیتیں اور استعدادیں اس کو ودیعت کر دی ہیں۔ ہزار ہا نعمتوں کی اس پہ بارش کی ہے۔ دُنیا کو اس کے لیے کارگاہ حیات اور میدانِ عمل بنایا ہے۔ ایک معقول مدتِ حیات اس کو بخشی ہے۔ دُنیا میں انسانی زندگی ایک امتحان ہے۔ انسانی کارکردگی کی آزمائش مقصود ہے۔ حسنِ عمل اور حسنِ اخلاق مطلوب ہے۔ اس کے اعمال اور افعال کا مکمل ریکارڈ تیار کیا جارہا ہے۔ ٹیپ ریکارڈ اس کی دوسری جانب فٹ ہیں۔ ایک روز مدتِ امتحان ختم ہو جائے گی۔ انسان اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوگا۔ مدتِ خلافت کی کارکردگی کا تفصیلاً حساب پیش کرے گا۔ اگر کارگذاری مقبول ہوگئی تو مزید انعامات سے نوازا جائے گا اور جنت میں داخلہ ملے گا اور اگر کارگذاری نامقبول قرار پائی تو غضبِ الٰہی کا شکار ہوگا اور دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

ایک مسلمان اور ایک غیر مسلم دونوں مادّی دُنیاوی زندگی بسر کرتے ہیں مگر دونوں کے نقطہ نظر میں بنیادی فرق موجود ہے۔ ایک دُنیا دار امن و تحفظ چاہتا ہے تاکہ وہ بھرپور مادی زندگی عیش و آرام سے بسر کر سکے۔ وہ خود کو کسی کے سامنے ذمہ دار نہیں سمجھتا ہے۔ جو قبر سے درے درے ہی دیکھتا ہے اور اسی زندگی پر مگن ہے۔ اس کا نقطہ نظر محدود ہے۔ اس کے برخلاف ایک مومن بھی معاشرہ میں امن و تحفّظ کا خواہاں ہے وہ بھی دُنیا میں بھرپور زندگی گذارنا چاہتا ہے تاکہ اپنی مخفی صلاحیتوں کا بہترین مصرف اختیار کرے تاکہ بہترین حسنِ عمل اور حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کرے تاکہ کل خدا کے حضور کامیاب اور سرخرو ہو۔ مومن اپنے آپ کو ایک حد تک خود مختار سمجھتا ہے۔ اور خدا کے سامنے جواب دہ سمجھتا ہے۔ اس احساس سے اس کا طرزِ عمل بالکل مختلف ہو جاتا ہے اس کی نگاہ وسیع ہے۔ وہ قبر سے پرے کی دُنیا پر بھی نگاہ رکھتا ہے۔ اس وجہ سے اس کے عمل کی دُنیا ایک دُنیا دار کے مقابلے میں بالکل مختلف ہو جاتی

ہے۔ اس کا طرزِ عمل مختلف ہوتا ہے۔ اس کا مطمحِ نظر مختلف ہوتا ہے۔

اس اختلاف فکر و عمل کے باوجود دُنیا میں دونوں کے نزدیک افراد کی بقا اور تحفظ ضروری ہے۔ معاشرہ کی بقا کا تحفظ ضروری ہے اور ریاست کی بقا اور تحفظ ضروری ہے۔

کوئی باغباں یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ درخت کی جڑ کو، تنا کو یا شاخوں اور پھول پتیوں کو گزند پہنچے۔ ورنہ پھر درخت ایک دن سوکھ کر گر جائے گا۔ کوئی مالک مکان یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ عمارت کی بنیادیں کمزور کی جائیں۔ دیواروں کو نقصان پہنچایا جائے۔ ان میں سوراخ اور رخنے پیدا کیے جائیں۔ ورنہ پھر ایک دن یہ پُرشکوہ عمارت ڈھیر ہو جائے گی۔ اور سینکڑوں مکین بے در اور بے گھر ہو جائیں گے۔ فرد، معاشرہ اور ریاست یہ دو تین منزلیں ہیں جنہوں نے انسانی عظمت کی پُرشکوہ عمارت تعمیر کی ہے، جنہوں نے انسانی عظمت کا منارہ بلند کیا ہے۔ تہذیب و تمدن، صلاح و فلاح کے نقطہ سے ان تینوں بنیادوں کا تحفظ اوّلین ضرورت ہے۔ کوئی مردِ معقول، کوئی ہوش مند انسان یہ بات گوارا نہیں کرسکتا کہ ان بنیادوں سے غفلت برتی جائے، ان بنیادوں کو نقصان پہنچایا جائے یا کمزور کیا جائے۔ ورنہ پھر وہ معاشرہ اور وہ قوم فنا کے گھاٹ اتر جائے گی ان کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ قدیم زمانہ سے فلاسفر، حکماء اور قانون ساز معاشرہ کی بنیادوں کو محفوظ رکھنے کا سخت اہتمام کرتے آئے ہیں۔ دُنیا کی ہر کتابِ قانون میں فرد، معاشرہ اور ریاست کے خلاف تعدی کو سنگین جرائم شمار کیا گیا ہے۔ اس بات پر کلی اتفاق ہے کہ ایسے سنگین جرائم کے ارتکاب کرنے والے کو سخت ترین سزا دینی چاہیے تاکہ پھر کسی دوسرے فرد کو اس حرکت کے اعادہ کی جرأت نہ ہوسکے۔

فرد وہ اکائی ہے جس سے مل کر خاندان وجود میں آتا ہے۔ معاشرہ میں فرد کا وجود ریڑھ کی ہڈی کا حکم رکھتا ہے۔ ہیکل انسانی کا سارا بوجھ ریڑھ کی ہڈی اُٹھائے ہوئے ہے۔ اسی طرح تہذیب و تمدن، ریاست و حکومت سب کا بار افراد کے کندھوں پر ہے۔ فرد کی بقا کی ضمانت دینا، اس کو پوری طرح تحفظ دینا، اور ہر قسم کے ظلم و تعدی سے بچانا انتہائی ضروری ہے۔ اگر فرد کی زندگی عدم تحفظ کا شکار ہوگئی تو پھر نہ خاندان قائم رہ سکتا ہے، نہ معاشرہ کو کارکن عوامل میسر آسکتے ہیں۔ نہ وہ امن و امان اور بے خوفی کا ماحول میسر آسکتا ہے جو حسنِ عمل کا مظاہرہ کرنے کے لیے

ضروری ہے جو تہذیب و تمدن کے فروغ کے لیے ناگزیر ہے۔ اس لیے قدیم زمانے سے تمام قانون ساز اور صائب الرائے لوگ انسانی قتل کو بھیانک جرم تصور کرتے آئے ہیں۔ اس کا تدارک کرنے کے لیے وہ سنگین ترین سزا یعنی قتل تجویز کرتے ہیں۔ اسلامی قانون بھی قصاص یعنی قتل کی سزا دیتا ہے۔ قرآن مجید نے قصاص کو حیات کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ (تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقل والو!) اس آیت نے اس حکمت کو واضح کر دیا کہ قاتل کو سزائے قتل دینا درحقیقت افراد کی زندگی کو تحفظ دینا ہے۔ معاشرہ کے شکستہ امن و امان کو درست کرنا ہے۔ معاشرہ کی صلاحیت کے مجروح اعتماد کو بحال کرنا ہے۔

قتل کی ایک شکل خودکشی بھی ہے۔ قتل خارجی تعدّی ہے، خودکشی داخلی تعدّی ہے۔ نتیجہ دونوں صورتوں میں یکساں ہے۔ معاشرہ ایک فرد سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے خودکشی اور بھی زیادہ سنگین جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس فرد کو اپنا خلیفہ بنا کر دُنیا میں بھیجا، تمام ضروری ساز و سامان سے آراستہ کیا۔ جو جی چرا کر کارزارِ حیات سے بھاگ کھڑا ہو، جو ایسا فوجی ہے جس نے تمام فوائد لوٹے اور آخر میں میدانِ جنگ سے راہ فرار اختیار کی یعنی خلافت کے فرائض آخر وقت تک انجام نہیں دیئے۔ اُس نے خالقِ کائنات کی اسکیم کے برخلاف کام کیا ہے، جو پست ہمت ہونے کے ساتھ ساتھ سخت نافرمان نکلا۔ اسلام خودکشی کو سنگین جرم قرار دیتا ہے۔ اس کو حرام قرار دیتا ہے۔ آخرت میں سزا تو ہوگی، دُنیا میں بھی اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی ممانعت ہے۔ جو مغربی مفکرین خودکشی کو جرم قرار نہیں دیتے ہیں، اُن کی نگاہیں حقیقت رس نہیں ہیں۔ مقصدِ تخلیق ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ وہ خود کو اللہ کا بھیجا ہوا خلیفہ نہیں سمجھتے۔ معاشرے کے حقوق ادا کرنے سے گریز جانا ان کے نزدیک جرم نہیں ہے۔ آزادی کے خود ساختہ اور مبالغہ آمیز تصور نے اُن کو بھٹکا دیا ہے۔

خودکشی کی ایک شکل وہ بھی ہے جس میں انسان اپنے ہوش و حواس زائل کر لیتا ہے۔ درحقیقت انسانی زندگی عقل و خرد اور ہوش و فہم سے عبارت ہے۔ ان سے عاری ہو جانا انسانیت سے عاری ہو جانے کے مترادف ہے۔ جو لوگ مختلف قسم کے نشہ آور اشیا استعمال کرتے ہیں۔ وہ خود کو شرفِ انسانیت سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ انسانی زندگی سے فرار اختیار کرنا چاہتے ہیں

منصبِ خلافت کی ذمہ داریوں سے بھاگنا چاہتے ہیں۔ محض حیوانوں کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں — اسلام کہتا ہے کہ جہاں انسان کے وجود کا تحفظ ضروری ہے وہاں شرفِ انسانیت عقل و خرد، ہوش و حواس کا تحفظ بھی ضروری ہے۔ اسلام نے شراب نوشی کو اور ہر قسم کے منشیات کے استعمال کو حرام قرار دیا۔ شراب نوشی کو قابلِ سزا جرم قرار دیا ہے، البتہ اس کی سزا قتل سے کمتر ہے۔ اور یہ فرق بدیہی ہے۔

بعض مذاہب نے اور مغرب کے مفکرین نے شراب نوشی اور نشہ آور اشیا کے استعمال کی عام اجازت دی ہے۔ وہ اس کو جرم قرار نہیں دیتے۔ ان کی نگاہ حقیقت بین نہیں ہے۔ وہ شرفِ انسانیت کو تحفظ دینے میں ناکام رہے ہیں۔ آج نشہ آور اشیا سے جو تباہی مغربی معاشرہ میں آرہی ہے، اس کے خلاف وہ واویلا مچا رہے ہیں وہ سب پر عیاں ہے۔ مغربی معاشرہ میں منشیات کی وجہ سے جو اختلال، انتشار اور فساد رونما ہو رہا ہے وہ بھی سب پر عیاں ہے۔ یہاں تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسلام کی نگاہ کتنی حقیقت بین اور دور رس واقع ہوئی ہے۔

عورت اور مرد دونوں مل کر خاندان کو وجود میں لاتے ہیں۔ عورت اور مرد کے درمیان معروف قانونی رشتہ قائم ہو جانے سے خاندان قائم ہو جاتا ہے۔ خاندان درحقیقت افزائشِ افراد اور تربیت افراد کا کارخانہ ہے۔ معاشرہ کا دوام اور معاشرہ کی صحت ان تربیت یافتہ افراد کی مرہونِ منت ہے، جو خاندان مہیا کرتا رہتا ہے۔ خاندان کے شرکاء کے درمیان اگر سرے سے کوئی قانونی رشتہ نہ ہو تو افراد کے حقوق کا تعین نہ ہو سکے گا۔ نئی نسلوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام نہ ہو سکے گا۔ معاشرہ میں ناشائستہ اور فساد زدہ افراد کی کثرت ہو جائے گی، جس کے باعث معاشرہ کمزور اور رفتہ رفتہ تباہ ہو سکتا ہے۔ اگر خاندان کے شرکاء کے درمیان ازدواجی وفاداری نہ ہو، باہمی اعتماد کی فضا نہ ہو تب بھی نئی نسلوں کی تعلیم و تربیت کے لیے درکار پُرسکون اور پُراعتماد ماحول میسر نہ آسکے گا۔ معاشرہ کے نئے افراد ناتربیت یافتہ اور نااہل رہ جائیں گے۔ اس لیے خاندان کو ہر نوع کا تحفظ دینا اور مستحکم بنانا معاشرہ کی ضرورت ہے۔ اس لیے خاندان کے خلاف یا شرکاءِ خاندان کے خلاف جرم و تعدّی کا سختی سے نوٹس لینا چاہیے۔ خاندانی ماحول کو ہر لحاظ سے پاک و پاکیزہ رکھنا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے نکاح کے علاوہ تسکینِ شہوت

کے تمام غیر قانونی طریقے حرام قرار دے دیئے ہیں۔ اس غرض کے لیے زنا کاری بالجبر ہو یا بالرضا لواطت، جلق سب کو سنگین جرم قرار دیا ہے۔ یہ جرائم معاشرہ کی صحت و سکون کو بُری طرح درہم برہم کرتے ہیں۔

مغربی مفکرین کی نگاہیں یہاں بھی کوتاہی کی مرتکب ہوئی ہیں۔ انھوں نے آزادی کے غلط تصور کے تحت زنا بالرضا اور لواطت وغیرہ کو جائز قرار دیا ہے۔ انھوں نے یہ نہ سوچا کہ وہ اس طرح خاندان کی بنیادوں پر تیشہ زنی کر رہے ہیں۔ اس کوتاہ نظری کا نتیجہ وہ اب اپنی آنکھ سے دیکھ رہے ہیں۔ یورپ و امریکہ میں ازدواجی وفاداری مفقود ہوگئی ہے، بلکہ لوگ ازدواجی رشتہ میں منسلک ہونا بار محسوس کرنے لگے ہیں۔ بعض جگہ افزائش نسل اور دوام معاشرہ کا کاروبار متاثر ہو رہا ہے۔ شرکا رخاندان کو عدم تحفظ کا خطرہ رہتا ہے۔ گھر راحت و سکون کا قلعہ بننے کے بجائے اب ایک سرائے کی نوعیت اختیار کر گیا ہے۔ ان منتشر اور اختلال زدہ خاندانوں میں پروان چڑھنے والے بچے ہپی، ٹیڈی اور ماڈ بن کر نکل رہے ہیں جو تہذیب و اخلاق سے عاری L.S.D اور ماری جوآنہ کے نشہ میں بدمست سڑکوں کے کنارے پڑے ملتے ہیں۔

شرکا رخاندان کے خلاف ایک تعدی اور بھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مرد یا عورت کے خلاف بلا ثبوت کوئی شخص زنا کاری کی تہمت لگائے۔ اس طرح افرادِ خاندان کی کردار کشی ہو جاتی ہے۔ اس طرح خاندان کا وقار اور بھرم مجروح ہو جاتا ہے۔ اسلام نے اس کا سختی سے نوٹس لیا ہے۔ تہمت لگانے والا شخص یا تو قانونی ثبوت فراہم کرے جو بہت کٹھن ہے، ورنہ پھر سزا بھگتے۔ اسلامی اصطلاح میں اس کو قذف کہتے ہیں اور اس کی سزا اسّی درّے ہے۔ اس طرح خاندانوں کے خلاف غیر ذمہ دارانہ باتیں کرنے سے زبانیں رُک جائیں گی۔ اور خاندانوں کو تحفظ اور وقار حاصل رہے گا۔

معاشرہ میں امن و امان کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ امن نہ ہو تو نہ افراد اپنے حسن عمل اور حسنِ اخلاق کا مظاہرہ کر سکتے ہیں، نہ تہذیب و تمدن کو ترقی نصیب ہو سکتی ہے۔ معاشرہ کے خلاف تعدی چوری و ڈاکہ ہے۔ یہ عدم تحفظ کی بدترین شکلیں ہیں۔ ان سے معاشرہ

میں رہنے والوں کا اعتماد مجروح ہو جاتا ہے۔ اسلام نے ان جرائم کے خطرناک نتائج کا قرار واقعی ادراک کیا ہے۔ ان کو سنگین جرائم قرار دیا ہے۔ چوری کی سزا اسلام میں ہاتھ کاٹنا ہے، ڈاکہ کی سزا بھی ایسی ہی سنگین ہے۔ صرف اسی طرح معاشرہ اس بلا سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ دوسری تمام سزائیں اس سنگین جرم کو ختم کرنے میں ناکام ہیں۔

مغرب کے مفکرین اتنی سنگین سزاؤں کے خلاف ہیں۔ درحقیقت وہ اس جرم کو ختم نہیں کرنا چاہتے۔ وہ چور کے ساتھ تو رحم کرتے ہیں مگر خاندانوں اور معاشرہ کے ساتھ ہمدردی نہیں کرتے۔ اس کو یونہی عدم تحفظ کا شکار چھوڑ دیتے ہیں۔ عجیب معاملہ ہے فرد کے خلاف تعدی کو وہ سنگین جرم قرار دیتے ہیں، ریاست کے خلاف تعدی کو بھی وہ سنگین جرم قرار دیتے ہیں۔ درمیان میں معاشرے کے خلاف تعدی کو وہ سنگین جرم نہیں قرار دیتے۔ کتنا غیر منطقی استدلال ہے۔

معاشرہ کا سب سے اعلیٰ ادارہ ریاست ہے۔ ریاست معاشرہ کے اندر امن و امان بحال رکھنے کا ذمہ دار ہے۔ ریاست افراد اور جماعتوں کے مابین حقوق و فرائض کا تعین کرتی ہے ریاست صحیح تعلقات برقرار رکھنے کی ضامن ہے۔ ریاست فصل خصومات و نزاعات کی مکلف ہے اس کی ذمہ داریاں بہت وسیع ہیں اور اہم ہیں۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو مستحکم رکھنا اور اس کو تحفظ دینا نہایت ضروری ہے۔ ریاست کے وجود کے خلاف تعدی سنگین جرم ہے۔ ہر دور میں مفکرین اور قانون ساز اس کو سنگین قرار دیتے رہے ہیں۔ بغاوت کی سزا ہر دور میں قتل رہی ہے۔ باغیوں کا استیصال کرنے کو اولین ضرورت قرار دیا گیا ہے۔ اسلام بھی اس کا ہمنوا ہے وہ بھی خروج اور بغاوت کو سنگین جرم قرار دیتا ہے اور باغیوں کو قتل کی سزا دیتا ہے۔

اسلامی معاشرہ کی بقا، قیام اور استحکام محض ریاست کا مرہون منت نہیں ہے جیسا کہ دوسرے معاشروں کا حال ہے۔ بلکہ اسلامی معاشرہ دین اسلام کی وجہ سے قائم ہے۔ اسلامی معاشرہ میں کلمہ جامعہ دین ہے۔ خود اسلامی ریاست کا جواز اور بقا دین اسلام کے باعث ہے۔ اسلام کے اندر دین کا تصور معاشرہ اور ریاست سے بالاتر ہے۔ اس

کو دوسرے مذاہب پر قیاس نہیں کر سکتے۔ جاہلی معاشرہ میں ریاست سے بغاوت کرنا معاشرے کی بنیادوں کو متزلزل کرنا ہے۔ اسلام میں دین میں داخل ہو کر دین سے باغی ہونا بھی اسلامی معاشرہ کی بنیادوں کو متزلزل کرنا ہے۔ جاہلی معاشرہ میں جو اہمیت محض ریاست کو حاصل ہے اسلامی معاشرہ میں وہ اہمیت دین کو حاصل ہے۔ اس لیے دین کی اساس پر تعدی کرنے والا بھی سنگین جرم کا ارتکاب کرتا ہے۔

انسانی زندگی کی بنیادوں کے خلاف یہ سنگین جرائم ہیں۔ ان کی سزا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مقرر کردی ہے تاکہ بنیادیں محفوظ رہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عمل کیا ہے۔ فقہ کی اصطلاحی زبان میں ان سزاؤں کو حدود اللہ کہتے ہیں۔ ساری دنیا کے مسلمان بھی اگر چاہیں کہ ان سزاؤں میں تخفیف یا ترمیم کردیں تو از روئے شریعت ہرگز نہیں کر سکتے۔ اور وہ ان حدود کو چھوڑیں یا بدلیں یا توڑیں تو وہ دین سے انحراف اور بغاوت کے مجرم ہوں گے۔ یہ دائمی ہیں اور ہر ایک کے لیے ہیں۔ ان کے علاوہ اور جو بھی جرائم ہیں، ان کی سزا تعزیر کہلاتی ہے اس میں وقتی ضروریات اور مجرم کے حالات کا خیال کر کے قاضی کمی یا زیادتی کر سکتے ہیں۔ وہ قابلِ تغیر ہیں۔

حدود اللہ کل آٹھ ہیں:

ا۔ فرد کے خلاف	۱۔ قتل	سزا	قصاص۔ قتل۔
	۲۔ شراب خوری (قتل ہوش وحواس)	سزا	چالیس کوڑے۔
ب۔ معاشرہ کے خلاف	۳۔ زناکاری (غیر شادی شدہ)	سزا	چالیس کوڑے۔
	″ (شادی شدہ)	سزا	رجم۔ سنگسار کرنا۔
	۴۔ قذف (کردار کشی)	سزا	۸۰ کوڑے۔
	۵۔ چوری	سزا	ہاتھ کاٹنا۔
	۶۔ ڈاکہ	سزا	قتل
ج۔ ریاست کے خلاف	۷۔ بغاوت	سزا	قتل
د۔ دینِ اسلام کے خلاف	۸۔ ارتداد	سزا	قتل

بعض لوگوں کے ذہن میں یہ خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ ان جرائم کی سزا اللہ تعالیٰ نے کیوں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مقرر کر دی، اس میں کیا مصلحت ہے؟ جن لوگوں کی نگاہ تاریخِ اقوامِ عالم پر حاوی ہے وہ جانتے ہیں کہ ان بنیادی نوعیت کے جرائم کے ساتھ بڑی تلون مزاجی ہوتی رہی ہے۔ مختلف ادوار میں حکماء اور مفکرین کا نقطۂ نظر مختلف رہا ہے۔ بدھ بھکشوؤں اور مسیحی راہبوں کے یہاں یہ حال تھا کہ ازدواجی تعلقات کی قطعاً کوئی گنجایش نہیں تھی، بلکہ عورت کے ہاتھ لگانا جرم تھا۔ دوسری طرف اتنی آزادی کہ کسی قانونی رشتہ کی بھی ضرورت نہیں۔ جب چاہو جنسی تعلقات قائم کر لو جیسا کہ رومی سلطنت میں تھا۔ اور جیسا کہ موجودہ مغربی تہذیب میں ہے۔ کبھی یہ حال ہے کہ اعلیٰ ذات کا ہندو کمتر ذات والی عورت سے زنا کرے تو معمولی تنبیہ، اسی طرح جنوبی افریقہ میں سفید فام مرد سیاہ فام عورت سے زنا کرے تو چند ماہ کی سزا ــ برخلاف اس کے کمتر ذات کا ہندو اعلیٰ ذات کی عورت سے زنا کرے یا سیاہ فام سفید فام عورت سے زنا کرے جنوبی افریقہ میں تو اس مرد کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ کہیں ایک فرد کے قتل کے بدلے میں کئی کئی افراد قتل ہوتے ہیں۔ اور کہیں ایک فرد بھی قتل نہیں ہوتا۔ کہیں یہ حال کہ چوری کے الزام میں مجرم کے ہاتھ کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دینے کا قانون ہے (منوسمرتی) کہیں یہ حال کہ چوری کرے اور پکڑا نہ جائے تو مردانگی کا کام ہے اور قابلِ تعریف کارنامہ ہے۔ اسپارٹا یونان میں ایسا ہی قانون تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کرم کیا کہ بنیادی جرائم کی سزائیں دائمی طور پر مقرر کر دی ہیں تاکہ انسانی معاشرہ کی بنیادیں محفوظ رہیں۔ انسان کی تلون مزاجی بنیادوں کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ اور وہ معاملہ نہ ہو کہ جس شاخ پر بیٹھے ہیں اُسی کو کاٹ رہے ہیں۔ اسلامی قانون میں شارع کی نگاہ بہت وسیع اور عمیق ہے۔